میرا جی کا نفسیاتی مطالعہ

ڈاکٹر راشدہ قاضی
Dr. Rashda Qazi

Abstract:

Meera Ji,s unsuccessful love with Meeraseen affected him emotionally and gave his poetry a sentimental and sexual touch.But unfollowing the traditions, he gave his poetry an innovative touch and in this way he came to be recognised as most prominent poet in the field of modern poem.This research paper investigates all the psychological issues which played their role in forming the perticular poetic mood of Meera Ji.

میرا جی کی فطرت بچوں کی طرح معصوم تھی۔(۱) اس نے پوری زندگی انسانوں کے جنگل میں گذاری مگر خود ایک بے برگ و بار درخت بن کر کھڑا رہا۔(۲) قدرت بڑی حسین اداکارہ ہے۔(۳) اسے دیکھنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔(۴) زندگی کو بڑی نعمت سمجھنے والا یہ تیاگی زندگی سے اس طرح مایوس ہوگیا جس طرح اپنے اکیلے پن سے برسوں پہلے ہوا تھا۔(۵) حقیقی علم سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ذہنی زندگی میں تخیل پرستی اس کا شعار بن گئی۔(۶) وہ روایت کے ماتحت بنی ہوئی شخصیت کو توڑ پھوڑ کر نئے اسرار تعمیر کرتا ہے۔(۷) ان کے نرالے استعارے، عجیب تکنیک اور انوکھا بہروپ، ۳ پہیوں والی سائیکل کی طرح ہے۔(۸) میرا جی شخصیت ایک فریب انگیز دھندلکے میں گم ہے۔(۹) میرا جی نے جسم کو روح کی طرح تقدیس کا درجہ دیا(۱۰) میرا جی نے آدمی کے دکھتے ہوئے زخموں اور زنگ خوردہ جنسی جذبوں کی تطہیر کا فرض ادا کیا(۱۱) اس نے جسم کو آکاش تک اوپر اٹھای اور اسی طریق سے عرفان حاصل کیا۔(۱۲) میرا جی غالب منفرد شاعر کے تصور شعر سے کس قدر قریب ہے(۱۳) میرا جی ذہن ہندوستان کے دیو مالائی عہد کا ذہن ہے۔(۱۴) میرا جی نے جس انداز سے ادبِ عالم کے حسین نمونے ہم تک پہنچائے وہ محض ترجمہ نہیں ایجاد ہیں۔(۱۵) میرا جی نے شعر کی مملکت میں معانی کا سکہ چلایا(۱۶) میرا جی کے تخیل کی رنگینی اور بیان کی لطافت کے ایسے جواہر پارے ملتے ہیں کہ پڑھنے والا خواہ ان کی عظمت تسلیم نہ کرے لیکن ان کی محبوبی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا(۱۷) فانی انسان مر گیا مگر تخلیقی

☆ ڈین آف آرٹس، غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

انسان میرا جی اپنے گیتوں میں آج بھی جیتا ہے۔[۱۸] تم میری موت کا سامان کر رہی ہو، ایک شخص ہے جس کی تباہی لازمی ہے۔[۱۹]

ماہرین اور نقادانِ فن کی یہ آراء میرا جی شخصیت اور نفسیات کا جزوی احاطہ کرتی ہیں۔ ۳۸ برس کی عمر میں ہسپتال میں جواں سال موت۔۔۔جس کے اطراف صرف ہسپتال کا عملہ تھا، جنازے میں چند افراد تھے جن کی تعداد ۴ سے ۶ بتائی جاتی ہے۔ وہ عام روش سے ہٹا ہوا غیر معمولی کردار کا حامل، باغی صفت، تجسس وتحیر کا جہانِ معنی ساتھ لئے ممنوعہ علاقوں کی ڈسکوری کرنے والا شاعر تھا۔[۲۰]

۲۵ مئی ۱۹۱۶ء میں لاہور کے محلہ مزنگ میں ریلوے انجینئر منشی مہتاب کے گھر پیدا ہوئے۔[۲۱] گھر میں پہلے ہی بہت سے افراد تھے جہاں محمد ثناء اللہ ڈار کی آمد اہمیت کی حامل نہ تھی۔

ثناء اللہ ڈار اپنے والد کے ساتھ سندھ، بوچستان اور گجرات کاٹھیاواڑ میں مقیم رہے اور گجرات کاٹھیاواڑ سے ہی میرا بائی کا بھی تعلق تھا۔ میٹرک کا امتحان پاس نہ کر سکے مگر یہ دلچسپ امر ہے کہ علم ڈگری کا محتاج کبھی نہیں رہا جو رقم ہاتھ میں آتی، کتابیں خریدتے، پنجاب پبلک لائبریری یا یونیورسٹی گراؤنڈ میں مطالعہ کرتے۔

لباس کے معاملے میں لاپرواہ، صفائی اور نفاست سے کوسوں دور یہ پابندیوں سے گریزاں شخص جب ۱۳۔ ۱۴ سالہ بنگالی لڑکی میرا سین سے ملے تو پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھے مگر اس پیش قدمی کو میرا سین نے روک دیا۔ تب ثناء اللہ ڈار نے گلے میں مالا ڈالی، گھر چھوڑا، در بدر کی ٹھوکریں کھائیں۔ اخبار میں چھپی میرا سین کی ایک تصویر کو اثاثہ بنالیا۔ میرا سین کے نام خطوط لکھے لیکن اپنے پاس ہی محفوظ کر لیے۔ یہ دیوانگی بھرپور طریقے سے میرا جی پر غالب آئی اور ثناء اللہ ڈار میرا جی بن گئے۔

کبھی دراز زلفیں، کبھی منڈا ہوا سر۔۔گھٹیا شراب میں ڈوبے ہوئے، رسمی تعلیم سے نالاں، خاندانی اتھارٹی کے خلاف جنسی کج روی پہ مائل جو کراہت کا باعث بنی۔ اپنے آدرش اور جسم کے ساتھ چھپن چھپائی کھیلتے رہے، نا آسودہ خواہشیں، ناپسندیدہ رویوں کی نذر ہوئیں۔ ۳۰ روپے سے ۱۵۰ روپے تک کی ملازمتیں ملیں مگر برقرار نہ رہیں۔ پان، تمباکو، سگریٹ اور شراب جیسے اشغال کا حامل یہ نا آسودہ شاعر ہمیشہ مقروض رہا۔

دہلی ریڈیو پر ملازمت کے دوران کچھ رقم والدہ کو بھی بھجواتے رہے۔[۲۲] یہ پہلی اخلاقی ذمہ داری ہے جو میرا جی نے پوری کی۔ اگرچہ میرا جی کا ارضی وجسمانی رخ بھی بے حد قوی ہے مگر وہ اعلانیہ ناپسندیدہ رویوں پہ مائل رہے۔ ان کی داخلیت وخارجیت دونوں دونوں نفسیاتی الجھن کا شکار ہیں۔ اس کے باجود وہ پوری ثابت قدمی سے اپنی روش پہ ڈٹے رہے۔ وہ اپنی سزائیں بھی خود منتخب کرتے رہے۔ ثناء اللہ ڈار سے میرا جی کو نفرت تھی کیونکہ اسے میرا سین نے مسترد کیا تھا اسی لئے میرا جی نے اسے جیتے جی

ماردیا اور ''میں ناہیں سب تو'' کا چولا پہن کر میرا سین کو بھی جتلا دیا کہ ''آپے رانجھا ہوئی'' کیا ہوتا ہے۔

یہ ادب کا ناقابلِ تسخیر کردار تغیر کا استعارہ تھا۔ ناقدین ان کے جنسی معاملات کے پیشِ نظر ان سے کتراتے رہے مگر ۱۹۶۰ء کے بعد شاعری کے نئے رجحانات کے حوالے سے میرا جی کی نظم کا بھرپور اعتراف ہوا۔

میرا جی نے کلاسیکل شاعری سے نہ مصافحہ کیا اور نہ ہی ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک کے سیاسی منشور سے کچھ اکتساب کیا۔ میرا جی نے جنس کو کبھی پرائیویٹ جذبہ نہیں سمجھا وہ اس اندرونی طلسم سے انکشاف کے مراحل طے کرتے ہیں۔ وہ اس پابند معاشرے میں جنس کی پکار بلکہ چیخ و پکار کا مظہر بنتے ہیں۔ فرد کی جنسی جبلت معاشرتی قدغن سے آزاد ہو کر ان کے ہاں ہوشربا اسرار کا مرکز بنتی ہے۔ وہ وجودیت سے خود وجودیت کے مراحل طے کرتے ہوئے اک نئی دنیا بساتے ہیں جو مروج اصولوں سے انکار و انحراف کرتی ہے۔ جنسی گھٹن مجبور معاشرے کی محرومیوں کا وسیلہ بنتی ہے۔ چنانچہ اس جنون خیز صورتحال کا یہ صورت گر خود پر خواہش کا فیصلہ صادر کرتا ہے:

دور کرو پیراہن کے بندھن کو جسموں سے
دوری حاصل کرو بندی خانے کے ان لمحوں سے
جن میں فطرت کو قیدی کر رکھا ہے تہذیبوں نے
فطرت کا مذہب کیا ہے آزادی ہی آزادی
مرد ہو، عورت سے مل جاؤ، عورت ہو تو مردوں سے
ذریعہ اور ہے معبود سے ملنے کا دنیا میں
میں جنسی کھیل کو کیوں تن آسانی سمجھتا ہوں [۲۳]

عمل اور تخیل کے باہمی ملاپ سے انہیں بقا کا نفسیاتی اسلوب ملا۔ لیکن غیر فطری رویے کبھی بھی روحانی بالیدگی اور اطمینان کا باعث نہیں بنتے۔ خواہش سے ذات تک کی تکمیل تک مروجہ اخلاقیات کا تضاد اپنی دریافت کو ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ خالی پن دیکھیے:

اور دل کہتا ہے یہ دردِ دل سوختہ ہے
ایک گھنگھو سکوں، ایک کڑی اندوختہ ہے [۲۴]

یہ ویرانی کا عظیم صحرا وہ کبھی عبور نہ کر پائے۔ لکھنا ہی ان کے لیے جوازِ حیات تھا۔ ن۔م راشد نے انہیں بجا طور پر ادبی گاندھی کا لقب دیا۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ن۔م راشد، فیض احمد فیض اور میرا جی کے سالِ پیدائش میں صرف ایک ایک سال کا فرق ہے۔

تینوں نے اپنے دور کے اثرات کو قبول کیا اور نئی رسموں کے بانی بنے۔ تینوں جدا شعری رنگ کے باوجود اردو شاعری کو نیا تناظر پیش کر گئے۔

منٹو، اختر شیرانی، مجاز، اور عدم کے قبیلے کو ایک ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان سب میں اس وقت کے حوالے سے درجات کا فرق تھا۔ عدم کے علاوہ سب جواں مرگ تھے۔

میرا جی کی شاعری اور لباسِ مجاز میں تین گولوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ منٹو نے میرا جی پہ جو مضمون لکھا اس کا تو موضوع ہی تین گولے ہے۔

نگری نگری پھرا مسافر، گھر کا رستہ بھول گیا'' کے مصداق یہ شاعر افسانوی اور دیو مالائی کردار بن گیا۔ کیا یہ شہرت کا ذریعہ تھا یا کوئی نفسیاتی گتھی۔۔۔ جو سلجھتی اور اور الجھتی رہی۔ اس کی حیرتیں بھی عجیب اور ابہام بھی کمال ہے۔ وہ جنس کو تقدیس کے لبادے میں لپیٹ دیتے ہیں۔ وہ ردِعمل اور آدرش کی شاعری کے متوازی چلتے ہیں، جنس ان کی زندگی کی اکائی ہے:

سفید بازو

گداز اتنے

زباں تصور میں حظ اٹھائے

میرا جی کے تراجم کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ جو ترجمہ سے زیادہ تخلیق کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ جدید اردو شاعری کے لیے نئی فضا تشکیل کرتے ہیں۔

میرا جی فرانسیسی علامت پسندوں کی طرح روایت کا باغی ہے۔ وہ ذات کو شاعری کا محور بنا کر عورت کے دائمی قرب کی آرزو کرتا ہے۔ مگر صرف فن کی حد تک ہی خود کو اور اس تشنہ تکمیل آرزو کو وقف کر دیتا ہے۔ اس کا تخیل بے حد مضبوط ہے۔ یہ خود اذیتی اور خود تلفی نفسیاتی الجھنوں کی عکاس ہے۔ وہ صاحب مطالعہ تھے۔ ایڈ گر ایلن پو کے حالات سے متاثر تھے۔ اس ضمن میں ان کا ایک طویل مضمون جو انہوں نے بودلیئر پہ لکھا۔ ان کی اپنی نفسیاتی الجھنوں کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بودلیر افیون اور شراب کے نشے میں دھت اپنی ماں سے غیر معمولی محبت کا حامل اور مجرد شخص ہے۔ شاید اس لئے میرا جی اس سے متاثر ہوئے۔ دونوں کا معاشرتی، مذہبی اور عمرانی فرق اپنی جگہ لیکن مماثلت تجرد اور ماں سے محبت ہے۔

بودلیر ایک نفیس شخص تھا مگر میرا جی کا نفاست سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اسی زمانے میں اختر شیرانی اور سلمٰی کا قصہ عروج پر تھا مگر ثناء اللہ ڈار نے تو عشق کا چولا پہن کر اپنی شناخت ہی بدل ڈالی۔ اختر شیرانی کے گرد رومانی دھند لکا، بودلیر ڈاڈا ازم کا حامی اور بناؤ سنگھار کا رسیا تھا۔ جبکہ میرا جی نے ۳ گولے تھام لئے۔ یہ ۳ گولے گویا ان کی شناختی علامت بن گئے۔ میرا جی نے روایت سے بندھنا مناسب نہ سمجھا بلکہ وہ روایت کا بت توڑ کر نئے اسرار کے دھندلکے سے حظ اٹھاتا ہے۔ اس کے استعارے نرالے، اس کی تکنیک عجب، تمثالیں نئی اور روپ انوکھا ہے۔ انہوں نے حقیقت کا پردہ چاک کر کے خود کو افسانہ بنا ڈالا اور پر فریب گھاٹیوں میں اتر گئے ان کے ہاں جذبے جرم نہ تھے۔ مقدس تھے، پاکیزہ

تھے۔

حوالہ جات

۱۔ سعادت حسن منٹو، تین گولے، مشمولہ: گنجے فرشتے، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۵ء، ص ٦٦
۲۔ احمد بشیر، اکیلا، میراجی، مشمولہ: سویرا، لاہور: شمارہ نمبر، ۲۳، ص ۴۷
۳۔ سحاب قزلباش، جانے نہ جانے گل ہی جانے، مشمولہ: میراجی۔ایک مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ئص ۱۰۳
۴۔ اختر الایمان، میراجی کے آخری لمحے (خط بنام قیوم نظر)نقوش شمارہ نمبر ۲۷۔۲۸، نومبر، دسمبر، ۱۹۵۲ء، ص ۸۵
۵۔ میراجی کی کچھ قلبی یادگاریں، مشمولہ: ادبِ لطیف، لاہور، اپریل، ۱۹۶۴ء، ص ۴۳
۶۔ اعجاز احمد، میراجی شخصیت وفن، مشمولہ: سویرا، لاہور، شمارہ نمبر ۳۶، ص ۸۲
۷۔ انتظار حسین، میراجی۔۔شخص اور شاعر، مشمولہ: صحیفہ، لاہور، شمارہ ۱۸۳، ص ۱۳
۸۔ ناصر کاظمی، شخص اور عکس، مشمولہ: ادبِ لطیف، لاہور، فروری، ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۱۲، ص ۴۵
۹۔ فتح محمد ملک، میراجی کی کتاب پریشان، مشمولہ: فنون، لاہور، مئی وجون، ۱۹۶۷ء، ص ۱۴۲
۱۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، میراجی کو سمجھنے کے لیے، مشمولہ تنقید اور تجربہ، مشتاق بک ڈپو، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۵٦
۱۱۔ ساقی فاروقی، صرف چار شاعر، ''نیا دور'' کراچی، شمارہ نمبر ۲۷، ۲۸، ص ۸۵
۱۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، دھرتی پوجا کی ایک مثال، میراجی، ''ادبی دنیا، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۴ء، ص ۹۲
۱۳۔ مظفر علی، سید، میراجی، راوی گورنمنٹ کالج، لاہور، نومبر ۱۹۵۰ء، ص ۱۷۲
۱۴۔ شاد امرتسری، میراجی کا سرگیان ''نئی تحریریں''، لاہور، شمارہ نمبر ۵۵، نومبر ۱۹۵۲ء، ص ۵۸
۱۵۔ فیض احمد فیض، میراجی کا فن، مشمولہ، میزان، ناشرین، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۹۴
۱۶۔ صلاح الدین احمد، میراجی کی نثر، ''ادبی دنیا'' لاہور، جنوری، ۱۹۵۴ء، ص ۴۹
۱۷۔ وقار عظیم میراجی کی تنقید ''ماہِ نو''، کراچی، اگست، ۱۹۵۲ء، ص ۴۰
۱۸۔ سجاد باقر رضوی، میراجی کے گیت، تہذیب وتخلیق، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۳۴
۱۹۔ الطاف گوہر، دیباچہ، کلیات میراجی، مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی، اردو مرکز، لندن، ۱۹۸۸ء، ص ۹
۲۰۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، میراجی ایک بھٹکا ہوا شاعر، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵
۲۱۔ ایضاً ص ۱۲
۲۲۔ ایضاً ص ۱۳۔۱۵
۲۳۔ میراجی، کلیاتِ میراجی، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، لندن: اُردو مرکز، ۱۹۸۸ء، ص ۳۲۲
۲۴۔ ایضاً ص ۲٦۰